ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر الزبتھ شاد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، کنیئرڈ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔
ڈاکٹر سارہ سرفراز
لیکچرار، شعبہ اُردو، کنیئرڈ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کا تصور قومی یکجہتی "پاکستانی کلچر"
(قومی کلچر کی تشکیل کا مسئلہ) کے آئینے میں (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

Dr Elizabeth Shad
Assistant Professor, Department of Urdu, Kinnaird College for Women University, Lahore.
Dr Sarah Sarfraz
Lecturer, Department of Urdu, Kinnaird College for Women University, Lahore.

A Review of Dr. Jamil Jalibi's Concept of National Unity through Pakistani Culture
(The Problem of Formation of National Culture)

Jamil Jalibi is a famous scholar, researcher, writer and former vice chancellor of the University of Karachi. He wrote over 40 books on criticism, research and culture. He had a zeal for creating and was prolific in his literary output but he was always shy of conversation, avoided interviews, discussions, and gatherings. He prefers reading from the prepared text even in limited literary gatherings. Besides his monumental work of the four-volume history of Urdu literature, he authored several other books which included; Qadeem Urdu ki Lughat, Pakistani Culture, Tanqeed aur Tajarba, Nai Tanqeed, Adab, Culture aur Masail, Ma'asir Adab, Eliot kay Mazameen, Arasto say Eliot tak (translation), Janvaristan (translation), Masnawi Kadam Rao Padam Rao (edited). In recognition of his services the government bestowed on him the Sitara-i-Imtiaz, Hilal-e-Imtiaz and Nishan-e-

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

Imtiaz.This article is an effort to give a scholarly review of his book Pakistani Culture. It highlights the importance of culture, its values and civilization. It gives a deep insight of Pakistani Culture and its impact on the people.

Keywords: *Criticism, Literature, Translation, Culture, Research.*

ڈاکٹر جمیل جالبی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کا شمار ایسی ہستیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے تحقیق کے میدان میں نہ صرف بے شمار اضافے کیے بلکہ نئے راستے بھی تلاش کیے۔ وہ ایک ممتاز محقق کے علاوہ بڑے ناقد، ادبی مورخ اور مترجم بھی ہیں اردو ادب میں انکے کارناموں میں "تاریخ ادب اردو" کو چار جلدوں میں سمیٹنا قابل تحسین ہے۔ انھوں نے نظام دکنی کی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کا مقدمہ لکھ کر تدوین کی "اردو کے قدیم الفاظ" کی لغت کی تدوین کی۔ تنقدی تراجم میں "ایلیٹ کے مضامین" اور "ارسطو سے ایلیٹ" نہایت اہم تصانیف ہیں۔ ان کے تنقیدی مقالات کا مجموعہ "تنقید اور تجربہ" کے نام سے ہے۔ تہذیب و تمدن اور قومی یکجہتی کے موضوع پر لکھی جانے والی ان کی اہم کتاب "پاکستانی کلچر" ہے اس موضوع پر یہ کتاب بنیادی تالیف کی حیثیت سے جاتی جاتی ہے۔

جہاں تک قومی یکجہتی کا تعلق ہے ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاں قومی یکجہتی اور قومی طرز احساس بہت نمایاں ہے۔ قیام پاکستان کی تشکیل کے بعد جب پاکستانی قوم کے تشخص اور پہچان کی بات آئی اور علاقائی سطح پر سیاسی اور تہذیبی شعور ابھرا تو قومی وحدت کا تصور دوسرے ناقدین کی طرح ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحریروں میں بھی نظر آیا۔ انھوں نے قومی یکجہتی کے حوالے سے کہا:

> "قومی یکجہتی کے معنی یہ ہیں کہ مختلف علاقوں کے طرز و فکر و عمل ایک بلند سطح پر اس طرح گھل مل گئے ہوں کہ ہر علاقہ اس سطح پر نہ صرف اپنی شکلوں کی جھلک دیکھتا ہو بلکہ مختلف عناصر کی اس نئی ترتیب میں اپنے اندر زندگی بسر کرنے کا ایک نیا حوصلہ اور نئی قوت محسوس کرتا ہو۔"(۱)

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ پاکستان تو بن گیا تھا لیکن علاقائی سطح پر انتشار ہونے کہ وجہ سے یکجہتی کا کوئی تصور نہ تھا۔ ہمارے دانشوروں نے ہی اس علاقائی انتشار کو ختم کرنے کے لیے قومیت کی آواز اٹھائی۔ انھی آوازوں میں ایک آواز ڈاکٹر جمیل جالبی کی ہے۔ انھوں نے پاکستانی تہذیب و تمدن کی پہچان، قومیت کے تصور اور قومی یکجہتی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

پر بہت سے مضامین تحریر کیے۔ وہ جس نظریے کے حامی تھے اس میں علاقائیت کا بھی تصور تھا۔ بلکہ انھوں نے یہ ہی خیال اپنی قوم کو دیا کہ ہماری اسلامی تہذیب جو متحدہ ہندوستان سے شروع ہوئی اسی سے ہم اپنا قومیت کا تصور اخذ کریں۔ اِن کا کہنا ہے:

> "کسی قوم کی کمزور تاریخ یا پھر اپنی عظیم تاریخ کا کمزور شعور تخلیقی صلاحیتوں کو مردہ اور سارے نظام اقدار و خیال کو تتر بتر کر دیتا ہے۔ آج یہی عمل ہمارے معاشرے میں نظر آتا ہے۔ "ہند مسلم ثقافت" سے دور ہو جانے کے رویے نے ہماری قومی سطح کو متزلزل کر کے علاقائی قومیتوں کو قومی تر کر دیا ہے اور اسی ذہنی عمل نے انسانیت کی سطح کو حد درجہ پست کر دیا ہے۔ تنگ نظری اور علاقائی عصبیت ہماری زندگی کی "راہنما قوت" بنتی جا رہی ہے۔ جو رفتہ رفتہ قومی یکجہتی کو دشوار تر بنا رہی ہے۔ اس عمل نے علاقائی قومیت کے مسئلے کو اتنا الجھا دیا ہے کہ قومی سطح کا تصور ہی باقی نہیں رہا ہے۔ جغرافیے کی تاریخ سمجھ کر اگر ہم "ہندو مسلم ثقافت کے اس تہذیبی ورثے کو اپنے کلچر سے خارج کر دیں تو ہمارے پاس رہ کیا جاتا ہے؟ کیا یہ غلطی ہمارے ملک کی سالمیت اور قومی یکجہتی کے تصور کو پارہ پارہ نہیں کر دے گی۔"(۲)

ڈاکٹر جمیل جالبی کا تصور قومی یکجہتی بہت پختہ ہے ان کی کتاب "پاکستانی کلچر" ان کے فکر کی ایک کڑی ہے۔ جس میں انھوں نے پاکستان کی شناخت اور قومیت کے تصور پر جامع انداز میں بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی یہ کتاب پہلی بار ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی اس کے بعد اس کے بہت سے ایڈیشن منظر عام پر آئے ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے پہلا باب "آزادی، تہذیبی مسائل اور تضاد" کے عنوان سے ہے۔ یہ کتاب کا تمہیدی باب ہے۔ اس میں انھوں نے قیام پاکستان کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک پاکستان کی تخلیق کی بڑی وجوہات اپنی "ملی شخصیت" اور قومی انفرادیت" کو آزادی کے ساتھ برقرار کھ کر وقت کے ساتھ اپنے وجود کو قائم رکھنا تاکہ ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکے جس میں ہماری روایت اور ماضی بھی موجود ہو اور جدید دور کے تقاضے بھی۔

ان کا کہنا ہے کہ پاکستانی قوم اور اس کے زندہ کلچر کی بنیاد اسی تصور سے ہے۔ لیکن وہ جذبہ جو آزادی سے پہلے تھا۔ آزادی کے تین چار سال بعد ہی ٹھنڈا پڑ گیا اور آج اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود ہم وحدت، یک جہتی اور مشترک طرز فکر و عمل جیسے بنیادی عناصر سے پہلے سے کہیں زیادہ محروم ہیں۔ آزادی سے پہلے ہمارے سارے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

جذبات اجتماعی تھے۔ لیکن آزادی کے بعد بہت سے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے۔ جیسے آخر وہ کونسے عناصر ہیں جن کے ذریعے ہم یکجہتی اور حقیقی اتحاد حاصل کر کے ایک قوم بن سکتے ہیں؟ ہمارا تہذیبی سرمایہ کیا ہے؟ ہمارا ماضی کیا ہے؟ اور اس سے ہمارا رشتہ کیا ہے؟ کیا ہم ماضی کے تاریخی بہاؤ کا منتطقی نتیجہ ہیں؟ مذہب، زبان، مادیت اور معاشرتی اتحاد کی سطح پر ہم کیا کر رہے ہیں؟ کیا ہمارا اپنا کوئی کلچر ہے؟ اگر ہے تو اس کی کیا نوعیت ہے اور اگر نہیں تو اسے بنانے کے لیے ہم نے اب تک کیا کیا ہے؟

اُن کا کہنا ہے کہ ایک طرف تو یہ سوالات تھے اور دوسری طرف معاشرے کے وسائل اور خواہشات کے درمیان زبردست بحرانی تضاد شروع ہو چکا تھا۔ درحقیقت ہمارے معاشرے کا اگر کوئی بنیادی مسئلہ ہے تو وہ تہذیبی مسئلہ ہے۔ کلچر زندگی کے اندر جوہر اور لطافت کے عناصر کا اضافہ کر کے انسان میں ایسی اقدار سے طمانیت حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے جو خالصتاً غیر افادی ہیں اور جہاں مقصد اور جہت، اصول اور اقدار کی شکل اختیار کر کے نئے معنی پیدا کر دیتے ہیں۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ ہر معاشرے میں تہذیب اور کلچر کا سچا نمائندہ ہمیشہ تعلیم یافتہ طبقہ ہوتا ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ ہمارے ہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے اور ان پڑھ طبقہ ہماری تہذیب کا نمائندہ ہے ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ اپنی اقدار، اپنی مشترک تاریخ اور اپنی روایات سے نفرت کر رہا ہے اور اپنی تہذیب کی نشوونما کر کے اسے وسعت دینے کی بجائے غریب تہذیب کی نمائندگی کر رہا ہے۔ وہ اپنی تاریخ اور اپنے ماضی سے رشتہ منقطع کر کے اس تہذیبی خلاء، نفرت اور تضاد کے سہارے قومی زندگی کو صلاحیتوں سے محروم کر رہا ہے۔ اس طرح اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے تمام تضادات اور نفرت کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو ہمارے معاشرے کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرتا جا رہا ہے۔

دوسرا باب "کلچر کیا ہے؟" کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے کلچر کے حقیقی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے پاکستانی کلچر کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کلچر کے لیے ہم دو الفاظ عموماً استعمال کرتے ہیں۔ "تہذیب اور ثقافت"

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے تہذیب کے لغوی معانی تو درخت تراشنا، کاٹنا اور اس کی اصلاح کے ہیں اور اگر مجازی معنوں میں دیکھیں تو تہذیب کو شائستگی بھی کہا جا سکتا ہے، ہمارے ظاہر سے ہی تہذیب کا گہرا تعلق ہے۔ ثقافت کے مفہوم پر غور کریں تو علوم و فنون و ادبیات پر قدرت اور مہارت اسی زمرے میں آتی ہے۔ ہمارے ذہن

سے تعلق رکھنے والی چیزیں اس زمرے میں آتی ہیں۔ تہذیب اور ثقافت کے مفہوم کے بعد اب کلچر کا مفہوم واضح ہو گا کسی بھی معاشرے کا کلچر اس کی روح ہوتا ہے۔ یا پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح دوران کو بن ہماری زندگی کی علامت ہے اسی طرح کلچر معاشرے کے لیے دوران خون کا درجہ رکھتا ہے۔ سماج کے مجموعی طرز عمل میں ظاہر ہونے والے عناصر کو ہم کلچر کہہ سکتے ہیں۔ طرز عمل کلچر کے ان بنیادی اداروں سے متعین ہوتا ہے۔ جنھیں ہم مذہب، معیشت، فنون و ہنر، سیاست، زبان، علم، سائنس وغیرہ کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ بنیادی تہذیبی ادارے معاشرتی فکر کی وجہ سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

> "کلچر اس کل کا نام ہے جس میں مذہب وعقائد، علوم اور اخلاقیات اور معاشرت، فنون وہنر، رسم ورواج، افعال ارادی اور قانون، صرف او قاف اور وہ ساری عادتیں شامل ہیں۔ جن کا انسان معاشرے کے ایک رکن کی حیثیت سے اکتساب کرتا ہے اور جن کے برتنے سے معاشرے کے مقاصد مختلف افراد اور طبقوں میں اشتراک و مماثلت، وحدت اور یک جہتی پیدا ہو اجاتی ہے۔"(۳)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے بڑی وضاحت سے بتایا ہے کہ جن معاشروں میں کلچر مردہ ہو جاتا ہے وہاں کلچر کے مظاہر اور معاشرے کا طرز عمل صرف ایک معمول ایک عادت بن کر رہ جاتا ہے وہاں خیال کا ارتقا بند ہو جاتا ہے۔ ایسے معاشرے میں کسی قسم کی تبدیلی گناہ کبیرہ کے مترادف ہوتی ہے اور وہاں فرد کا طرز عمل مردہ اور جامد ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جس معاشرے کا کلچر زندہ ہو وہاں خیال کا ارتقا جاری رہت اہے۔ وہاں نئی ضرورتوں اور تقاضوں کے تحت تہذیبی ادارے بدلتے ہیں۔ قدیم عناصر کا خروج اور جدید عناصر کی شمولیت نظر آتی ہے۔ انھوں نے اس باب میں کلچر کے زوال کے اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ ان کے نزدیک دو بڑے اسباب ہیں۔

۱۔ خیال کا ارتقا بند ہو جاتا۔

۲۔ کلچر کے نظام کا صرف معمول یا عادت بن کر ظاہری رسوم ورواج میں مقید ہو کر بے روح ہو جانا۔

اِن کے نزدیک خیال کے ارتقا کی کسی کلچر میں یہ اہمیت ہے کہ وہ کلچر کے سارے نظام کو سکڑنے، ضعیف ہونے اور قوت محرکہ کے زائل ہو جانے سے بچا لیتا ہے۔ لیکن خیال کا ارتقار کتے ہی جذبات پرستی، ظلم اور نا انصافیاں عام ہو جاتی ہیں۔ انسان کی مرکزی حیثیت و احترام غائب ہو جاتا ہے۔ اس کی بہترین مثال برصغیر میں اسلام

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی اشاعت کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں ہندو کلچر کے خیال کا نظام ایک نقطے پر آکر رک گیا ہے۔ ناانصافی، ظلم، عدم مساوات، غیر انسانی فعل رائج الوقت سکے کا درجہ رکھتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کے قدیم حملے کی بری وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں کے خیال کا نظام، ان کا تصور حقیقت ایک نئے متحرک کلچر کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اسلام ایک ترقی پسند نظام خیال ہے، جو ہندومت کی طرح چند رسوم وعبادات میں مفید نہیں بلکہ اس میں پھیلنے، بڑھنے اور جذب کرنے کی پوری صلاحیت ہے۔ اسی طرح اکبر کا دور کلچر کے پھیلنے اور بڑھنے کا دور تھا کیوں کہ خیال کا ارتقا جاری تھا۔ پھر جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانے تک خیال ارتقا اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ لیکن اس کے بعد جیسے جیسے خیالات میں وسعت آنی بند ہو گئی تو کلچر بھی مردہ ہونے گا۔ ان مثالوں سے ڈاکٹر صاحب نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح جاندار اور قومی کلچر کے خیال کے ارتقاء کے رک جانے سے رفتہ رفتہ زوال پذیر ہوتا ہے۔ عروج وزوال کی یہ داستان انسانی تاریخ میں مسلسل دہرائی جارہی ہے اور ہمیشہ دہرائی جاتی رہے گی۔

کتاب کا تیسرا اور چوتھا باب "قومی یک جہتی کے مسائل" کے عنوانات پر ہے ان میں ڈاکٹر صاحب نے پاکستانی کلچر اور اس کے مختلف مسائل وعوامل پر بحث کرتے ہوئے جائزہ لیا ہے۔ جن سے ہمارے قومی کلچر کی تشکیل کے بنیادی مسائل سامنے آتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ پاکستانی کلچر درحقیقت ہے کیا۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ:

> "ایسے میں یہ سوال کہ پاکستانی کلچر کیا ہے۔ بذات خود اس بات کی علامت ہے کہ ہم اپنے قومی کلچر کی وہ نمایاں خصوصیات محرکات اور عوامل دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ جو بحیثیت مجموعی ایک پاکستانی باشندے میں موجود ہیں اور جو ساتھ ساتھ دوسرے ملکوں کے باشندوں سے مختلف ہیں۔ یہی وہ خصوصیات اور عوامل ہیں جو ہمارا طرز فکر و عمل متعین کرتے ہیں اور انھی کے زیر اثر ہمارا ذہنی ماحول مشکل ہوتا ہے۔"(۴)

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ قومی کلچر کے بغیر نہ ہم قوم کہلانے جانے کے مستحق ہیں اور نہ ہم اپنے انفرادی اور اجتماعی طرز حیات میں تخلیقی قوتوں کا اظہار کر سکتے ہیں اور جب ہم پاکستان کے حوالے سے بات کرتے ہیں کہ ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے پاکستان کوئی ملک نہیں تھا ہمیں اسے ایک ملک بنانا ہے اور یہی ہمارا بنیادی مسئلہ ہے اور جب پاکستانی کلچر کی بات آتی ہے تو اس کا جواب دینا نہایت دشوار ہے کیوں کہ مسئلہ صرف یہ ہے کہ قومی سطح پر پاکستانی کلچر ابھی بے نام ہے ہمیں اسے نام دینا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کی جغرافیائی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

تاریخ کی رو سے نہایت اہم مسئلے پر قلم اُٹھایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان جب بنا تو جغرافیائی سطح پر دو صورتیں اس کے سامنے تھیں۔

۱۔ پانچ ہزار سال پرانی تہذیب جس میں موئن جوڈارو، ہڑپا، ٹیکسلا، گندھارا، مشرقی پاکستان میں بدھ مت تہذیب کے آثار، میناماتی وغیرہ

۲۔ برصغیر میں مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ حکومت کی تاریخ اور کلچر جس میں تاج محل، دہلی کی جامع مسجد، مسجد قوۃ الاسلام کے مینار وغیرہ

پاکستان کے ساتھ المیہ یہ ہوا کہ اس نے اپنے ایک ہزار سالہ بادشاہت اور مسلم کلچر کے برعکس پانچ ہزار سالہ پرانی تہذیب جو مسلمان قوم سے تعلق نہ رکھتی تھی اسے قبول کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کی دو وجوہات بھی بیان کیں ہیں۔

۱۔ پہلی وجہ تو نفسیاتی نوعیت کی ہے چوں کہ اس وقت ہندوستان کے لیے ایک نفرت کا جذبہ تھا اور مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ تاریخ کے کم و بیش سارے مراکز اور تہذیبی مظاہر ہندوستان کی سرزمین میں تھے۔ اسی وجہ سے نفرت کا جذبہ، روحانی رشتے پر بھاری ہو گیا اور پاکستان نے ان تہذیبی مراکز کو اپنایا جو اس کی جغرافیائی حدود اور ملکیت میں ہے۔

۲۔ دوسری وجہ ایک ضرورت تھی کہ باہر کی دنیا سے پاکستان کا تعارف کس طرح اور طور پر کرایا جائے

چوں کہ حریف اور مد مقابل ہندوستان تھا۔ جس کا کلچر صدیوں پرانا تھا اور وہ دنیا کے بیشتر ممالک اس سے واقف تھے۔ اس لیے پاکستان نے بھی اپنی قدامت، وجود اور عظمت کے اظہار میں یہی کوشش کی کہ ایک ہزار سالہ مسلم تہذیب و ثقافت کی بجائے پانچ ہزار سالہ پرانی تہذیب سے ناطہ جوڑ لیا جائے، لیکن یہ وہ پہلی غلطی تھی جس سے "ہند مسلم ثقافت اور پاکستان کا رشتہ کمزور بلکہ بہت ضعیف کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا کلچر اور ہماری پہچان سبھی داؤ پر لگ گئے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ در حقیقت یہی "ہند مسلم ثقافت" ہماری یک جہتی، روحانی اتحاد اور قومی تصور کا سرچشمہ ہے اور اسی سے ہماری قومی اردو زبان کا وجود منظر عام پر آیا۔ اگر ہم "ہند مسلم ثقافت" کے اس تہذیبی ورثے کو اپنے کلچر سے دور رکھیں گے تو ہمارے پاس کچھ باقی نہیں رہتا اور قومی یک جہتی کا تصور بھی ختم ہو

جاتا ہے۔ اسی باب میں انھوں نے ان عناصر کی نشاندہی کی ہے جو ہم اپنا کر اپنے طرز و فکر و عمل کے ذریعے ایک قومی کلچر کی تشکیل دے سکتے ہیں۔ سب سے اہم نقطہ اس سلسلے میں "قومی یک جہتی" ہے۔

قومی یک جہتی کے معنی یہ ہیں کہ مختلف علاقوں کے طرز فکر و عمل ایک بلند سطح پر اس طرح گھل مل گئے ہوں گے کہ ہر علاقہ اس طرح پر نہ صرف اپنی شکلوں کی جھلک دیکھتا ہو۔ بلکہ عناصر کی اس نئی تربیت میں اپنے اور زندگی بسر کرنے کا ایک نیا حوصلہ اور نئی قوت محسوس کرتا ہو۔ جب ہم پاکستان میں وحدت اور ایک یک جہتی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ معاشرے میں افراد کی خواہش اور طرز عمل میں شدید تضاد ہے۔ معاشرے کے مختلف عناصر یک جہتی کی خواہش کو پھلنے پھولنے کے مواقع سے محروم کر رہے ہیں۔ یہاں قومی یک جہتی سے زیادہ علاقائی قوت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ۔

> "علاقہ پرستی کے اس مہلک رجحان نے قومی یک جہتی کی خواہش کو "بے یقینی" اور "عدم تحفظ" کے احساس کی شکل دے کر زندگی کے ہر مسئلے کو صرف "ذات" تک محدود کر دیا ہے۔ ہمیں اپنے ملک پر اور پاکستانی ہونے پر فخر نہیں ہے۔ پنجابی کو پنجابی ہونے اور بنگالی کو بنگالی ہونے پر فخر ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے میں علاقائی قومیت کے الفاظ سے ادا کر رہا ہوں۔"(۵)

پاکستان میں جب تک قومی یک جہتی کا جذبہ فروغ نہیں پائے گا ہمارے "قومی کلچر" کے مسائل بھی حل نہیں ہو سکیں گے اور نہ ہی اس کی باقاعدہ تشکیل ممکن ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قومی یک جہتی نہ ہونے کی مندرجہ ذیل وجوہات بتائی ہیں۔ (۱) غیر ذمہ دارانہ رویہ (۲) خصوصی رعایت (۳) یگانگت کے برعکس حقارت (۴) ذہنی آزادی (۵) معاشرتی عدم مساوات اور عدم تحفظ

پاکستانی کی تحریک اس بات کی علامت تھی کہ ہر علاقہ اپنی روح کو پھیلا کر خود کو وسیع تر روح میں جذب کر دینا چاہتا ہے۔ آغاز میں تو اسی طرح تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے میں خود اعتمادی کی کمی کی وجہ سے سب عناصر ایک دوسرے سے الگ ہونے لگے۔ مثلاً امریکہ سے اتحاد کر کے ہم نے قومی شخصیت پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا اور یہ آس لگائی کہ ہمارے مسائل دوسرے حل کریں گے۔ جب ہم نے اپنے مسائل کو حل کرنے کا یہ جھوٹا طریقہ معلوم کر لیا تو آخر اتحاد اور قومی یک جہتی کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ وہ قوم کس

طرح اپنے مسائل حل کر سکتی ہے جس کا رویہ نہایت غیر ذمہ دارانہ ہو اور جسے اپنی اہلیت صلاحیت پر اعتماد باقی نہ رہے۔

یک جہتی کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں "خصوصی رعایت" سے نفرت کی جاتی ہو۔ یعنی کوئی شخص صرف کسی علاقے یا خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ایسی رعایت کا حق دار نہ ہو جو صلاحیت اور انصاف کے اصول کے خلاف ہو۔ بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو یکساں مواقع میسر ہوں۔ پاکستانی معاشرے میں تمام کام علاقائی، وفاداری، سفارش اور تعلق کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام آدمی نفسیاتی مشکلات کا شکار ہوتا ہے۔ در حقیقت ہمارے پاس قومی سطح پر ایسے ادارے اور نظام موجود ہوں جو قوم کے مشترکہ مقاصد میں نئے معانی پیدا کریں۔

پاکستانی معاشرے میں ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے تہذیبی نظام میں دل چسپی کی بجائے حقارت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یک جہتی کا عمل جادو نہیں بلکہ یہ توشعوری طور پر مشترک مقاصد سے وجود میں آتا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ فراخدلی، مشترک مقاصد اور نصب العین کے ساتھ عام آدمی کے اندر پیدا ہو۔ یک جہتی کے لیے ضروری ہے کہ ایک علاقہ کے لوگ دوسرے علاقہ کے لوگوں کے طور طریقوں، زندگی کے معمول، رسوم ورواج، عادت وخیالات، ضرورتوں اور حالات سے بخوبی واقف ہوں اور ان سے دل چسپی لیتے ہوں۔ ہمارے معاشرے میں ذہنی آزادی کو ایک اہم اور محترم درجہ دینے کی ضرورت ہے۔

انسان کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت روٹی، کپڑا اور مکان ہے۔ جن معاشروں میں افراد کی بنیادی ضروریات پوری نہیں ہوتی اس کا مطلب ہوتا ہے کہ معاشرہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا جائزہ نا جائز استعمال کر رہا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نا مساوات سارے نظام اقدار و اخلاق کو تباہ کر رہی ہے یعنی مذہب، سیاست اور معیشت جیسے ادارے اپنی ساری محنت نا مساوات کے نظام کو قائم رکھنے پر صرف کر رہی ہے۔ تاریخی طور پر جائزہ میں تو پتہ چلتا ہے کہ معاشی و معاشرتی عدم مساوات کا شکار ہے۔ دیہاتوں میں عدم مساوات کا عفریت زمیندارانہ نظام کی شکل میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ قومی یک جہتی میں ایک بڑی رکاوٹ عدم تحفظ ہے۔ ہمارے معاشرے میں عدم تحفظ کا احساس فرد کو آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کی طرف دھکیل رہا ہے۔ عدم تحفظ کے احساس نے ہماری تہذیبی اقدار کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ہر فرد ایک دوسرے سے الگ اور بیزار ہے اور "خود حفاظتی" میں لگا ہوا ہے۔ مذہب اور اخلاق کا ہم پر اثر نہیں ہوتا۔ فرد کی شخصیت دو ٹکڑے ہو چکی ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

عدم تحفظ کے احساس نے ہر طبقے کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ مزدور سرمایہ دار، وکیل، ڈاکٹر، انجینئر، استاد سبھی اپنے فرائض سے غافل نظر آتے ہیں۔ سب کا واحد مقصد حیات پیسہ بٹورنا ہے۔ یہ مختلف عوامل، مختلف معاشرتی، تہذیبی سطح پر سارے معاشرے کو ایسے کنویں میں دھکیل رہے ہیں۔ جہاں باہر کی وسعتیں نظر نہیں آتیں۔ باب کے آخر میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ

> "میں نے یہاں قومی یک جہتی کے تعلق سے معاشرے کے مختلف مسائل و عوامل کا جائزہ لے کر ایک صاف اور واضح تصویر پیش کر دی ہے۔ تاکہ اس تصویر کو دیکھ کر فکر کی سطح پر ہم مسئلے کا شعور حاصل کر سکیں۔"(۶)

کتاب کا پانچواں باب "مذہب اور کلچر" کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے قومی کلچر کے تعلق سے اس بنیادی مسئلے کا جائزہ لیا ہے۔ جس پر اس نئی مملکت کی بنیاد ہے۔ یعنی "مذہب" انھوں نے نہایت اہم سوال اٹھائے ہیں مثلاً

۱۔ مذہب جدید دور میں کن مسائل سے دوچار ہے اور ان مسائل کی طرف ہمارا کیا رویہ ہے؟

۲۔ کیا مذہب زندگی کے نئے تقاضوں کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کی اب بھی اہلیت رکھتا ہے۔

کیا مذہب ہماری معاشرتی، سیاسی اور معاشی ترقی میں رکاوٹ ہے یا وہ ہمیں آگے بڑھنے میں اور بڑھانے میں ایک فعال قوت کا درجہ رکھتا ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس مملکت کے عوام کا ان کے مذہب میں گہرا جذباتی رشتہ ہے اور اسے وہ زندگی کی ایک اہم ترین قدر جانتے ہیں۔ پاکستان میں مذہب نہ صرف معاشرے اور کلچر کا بنیادی عمل ہے۔ بلکہ یہ معاشرے میں ایک موثر قوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں منفی طرز عمل کی وجہ سے ہم نے مذہب اور معاشرے میں تضاد پیدا کیا ہوا ہے۔ ہم نے مذہب کو جس شکل میں قبول کر کے معاشرے کو چلنے کا راستہ دکھایا ہے وہ راستہ بذات خود ہمیں منزل تک لے جانے کے لیے کافی نہیں۔ ہمارے ہاں فکر کے سارے راستے بند ہیں اور ہم نے مذہب کو جو "دین مکمل" ہے اور زندگی کی ساری سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے صرف نام نہاد روحانیت کا ذریعہ بنا کر عقبیٰ سنوارنے کے وسیلے کے طور پر قبول کر لیا ہے اور زندگی کی باقی سرگرمیوں سے اس کا رشتہ منقطع کر دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ پاکستانی کلچر کی تشکیل میں مذہب کا نظام ایک اہم رول ادا کرتا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ معاشرے کی تخریبی جبلتوں پر قابو پانے کے لیے مملکت کی قوت سے زیادہ نظام اخلاق کا زندہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

احساس زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کے ذریعہ ہم یک جہتی کے رشتے میں آسانی سے پیوست ہو سکتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں مذہب اور کلچر کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ قومی یکجہتی میں مذہب اور کلچر کا تعلق کچھ ایسا ہے مثلاً پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اس لیے اس کا کلچر بھی وہی کہلائے گا جو مسلمانوں کی برصغیر میں ہزار سالہ بادشاہت اور دور میں قائم ہوا ہے۔ ایک سچا مذہب زندگی کے ایک پہلو ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں ہوتا ہے۔ یعنی ایک مکمل ضابطہ حیات اور کلچر سے فرد اور زندگی کی ساری سرگرمیاں خواہ وہ ذہنی ہوں یا مادی، خارجی ہوں یا داخلی سب کچھ شامل ہیں۔

مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ انسان میں خیر و شر کا امتیاز باقی رکھے۔ اس کی تخلیقی قوتوں کو زندگی کی سرگرمیوں میں اظہار کے راستے دکھائے مذہب سے رشتہ گہرا کرتا ہے تاکہ اس سے رشتہ توڑتا ہے۔

انھی معنوں میں دین اسلام ایک مکمل دین ہے۔ یہی اسلام کی روح ہے۔ جیسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قوالی، خطاطی و نقاشی ہمارے مذہب کا اتنا ہی ناگزیر حصہ ہیں جتنا اذان مسجد اور محراب و منبر ہمارے کلچر کا حصہ ہیں۔ یہی وہ سطح ہے جس پر مذہب زندگی کے میدان میں اتر کر ہمارے زندہ مسائل سے آنکھیں ملا سکتا ہے۔ یہی کلچر کی سطح ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے کتاب کے چھٹے باب میں بھی مذہب اور کلچر کے متعلق ہی بحث کی ہے۔ گزشتہ سو سال میں مذہبی سطح پر برصغیر کے مفکروں اور مسلمانوں کی فکر کن راستوں سے گزری تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد مفکرین کی تعلیمات کا خاکہ پیش کیا ہے جن میں سر سید احمد خان، مولانا قاسم نانوتوی، شبلی، مولانا ابو الکلام آزاد، غلام احمد پرویز، مولانا مودودی شامل ہیں۔ ان سب کی فکر کا مرکز ایک ہی تھا کہ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی حکومت و عظمت اور آزادی مسلمانوں کو دوبارہ کس طرح حاصل ہو اور وہ مادی اعتبار سے کس طرح ترقی کریں۔

ڈاکٹر صاحب نے گزشتہ سو سال کی تحریکوں سے یہ اخذ کیا ہے کہ ہم زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے، مادی ترقی کرنے اور عقلی علوم حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں یہ خواہش ہم پر رفتہ رفتہ غالب آ رہی ہے اور ہم بغیر سوچے سمجھے اسے قبول کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستانی معاشرت کی نئی فکر کا تعلق بھی اسی مسئلے سے ہے کہ:

> "زندگی صرف نام نہاد روحانیت سے عبارت نہیں ہے یہ ہم سے کسی اور چیز کی بھی طالب ہے۔ تاکہ ہم اپنی ٹھہری ہوئی سکونی زندگی کو حرکت میں لا سکیں اور توانائی کے تصرف سے پورے معاشرے کی زندگی میں نئے معنی پیدا کر کے بیداری کی لہر دوڑا سکیں۔"(۷)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ساتواں باب "مادی ترقی اور کلچر کا ارتقاء" کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ مادی ترقی کو صحیح معنوں میں لے کر ہم اپنے کلچر کی ترقی کا باعث بنا سکتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کلچر کی ترقی کے لیے یہ چیز بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ پہلے انسانی معاشرے کو حیوانی سطح پر بلند کیا جائے۔ حیوانی سطح سے بلند کر کے توانائی کو مسخر کر کے آلات کے ذریعے تصرف میں لانے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ یہ "توانائی" کیا ہے؟ توانائی اس قوت کا نام ہے جس کو انسان قدرت کے عناصر سے حاصل و مسخر کر کے تصرف میں لا کر اپنی قوت کار کردگی میں اضافہ کرتا ہے اور زندگی کے امور کو آسانی سے انجام دینے کے لائق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ جو معاشرے توانائی کا تصرف جس قدر اور جتنا زیادہ کریں گے اسی قدر وہ معاشرہ ترقی کرتے گا اور اس کا تہذیبی و معاشرتی نظام بھی اسی کے مطابق ہو گا۔ یعنی جدید تقاضوں کے مطابق نئے نئے ذرائع استعمال رکتے ہوئے بحران اور تضاد کو دور کر کے قوت حیات اور عمل ترقی کو تیز کیا جائے۔

"مشترک کلچر، "مشترک زبان" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب نے آٹھواں باب تحریر کیا ہے۔ اس باب میں انھوں نے زبان کے متعلق سے پاکستانی کلچر کے مسئلے کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ کلچر سے کیا تعلق ہے اور اس سلسلے میں کیا عمل کرتی ہے اور خصوصا پاکستانی صورتحال کو واضح کیا ہے اور تہذیبی و معاشرتی یک جہتی کی بات کی ہے۔

ہر معاشرے میں افراد کے پاس مشترک اظہار کا کوئی وسیلہ ہوتا ہے۔ زبان ہی ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعے ایک فرد کے خیالات، تجربات اور محسوسات و جذبات میں تبادلہ خیال کرتا ہے اسی طرح طرز فکع و عمل میں مماثل پیدا ہوتی ہے۔ جس سے معاشرے میں تہذیبی و معاشرتی یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔ جو مشترک کلچر کی بنیاد ہوتی ہے۔ جس معاشرے کے پاس مشترک اظہار کا ذریعہ نہیں ہوتا وہاں خیالات کی پیدائش اور رفتار رک جاتی ہے اور معاشرے کا کلچر صف ہو جاتا ہے اور یہ خرابی اندر ہی اندر کلچر کی تشکیل کے وجود کو کھا جاتا ہے۔ قومی کلچر کی تشکیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ معاشرے کے پاس ایک ایسی زبان ہو جسے ہر طبقہ قومی سطح پر اپنے معاملات انجام دینے کے لیے استعمال میں لا سکے پاکستان اس حوالے سے بھی دوسرے معاشروں سے مختلف ہے۔ یہاں ہر علاقے کی اپنی زبان کو قومی زبان پر فوقیت دی جاتی ہے۔ سندھ میں سندھی، پنجاب میں پنجابی، سرحد میں پشتو، بلوچستان میں بلوچی بولی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ قومی کلچر کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ علاقائی زبانوں کو پھلنے پھولنے کا پورا پورا موقع دیا جائے۔ لیکن یہ پھولنا پھلنا ان معنوں میں نہ ہو کہ علاقے قومی کلچر کے تصور سے بے نیاز ہو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

کر اپنی الگ شخصیت بنانے کے عمل میں مصروف ہو جائیں۔ اس مسئلے کا حل یہی ہے کہ قومی زبان کو تمام علاقوں میں فروغ دیا جائے تاکہ قومی یک جہتی کا عمل پیدا ہو اور قومی کلچر کی تشکیل مناسب طریقے سے ہوتی رہے۔

قومی زبان کا بنیادی عمل یہی ہے کہ وہ معاشرے کے مختلف طبقوں کے درمیان خلاء کو ختم کر کے قومیت کا تصور ابھارتی ہے۔ قومی زبان کے استعمال کرنے سے تہذیبی روایت اور اس کا شعور مختلف شکلوں میں ہر طبقے تک پہنچے گا اور قومی کلچر کے مسائل حل ہونے میں مدد ملے گی۔ "ذہنی آزادی اور تہذیبی عوامل" کتاب کا نواں باب ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر جمیل صاحب نے قومی کلچر کی تشکیل کے لیے "ذہنی آزادی" کی اہمیت کو بیان کیا ہے، کلچر کے لیے ذہنی آزادی کی اہمیت یہ ہے کہ تخلیقی روح اور معاشرتی اور تہذیبی یک جہتی کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ ذہنی آزادی کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ افراد کے اندر عدم تحفظ اور خوف کو پلنے نہیں دیتی اور فرد میں اجتماعی سطح پر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور صداقت کو تسلیم کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی معاشرے میں کلچر کے فروغ کے لیے آزادی اظہار سب سے اہم نقطہ ہے۔ جس معاشرے میں اقتدار پرست قومیں آزادی کے تحفظ، حب الوطنی اور بیرونی خطروں کا نام لے کر ذہنی آزادی کو کچلنے لگتی ہیں وہاں معاشرے میں خیال کا ارتقا بند ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ان قوتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ذہنی آزادی کو دبا رہی ہیں اور وہ قوتیں بھی جو اظہار آزادی کی حمایت کر سکتی ہیں لیکن نہیں کر رہی۔ یعنی ہم ان کو دو گروہوں کی صورت میں بیان کر سکتے ہیں۔ پہلے گروہ اس میں وہ قوتیں ہیں جو آزادی اظہار کو روک رہی ہیں۔ ان میں ایک طرف تنگ نظر لوگ شامل ہیں جو روایتی اور مروجہ خیال کی تبدیلی کو گناہ سمجھتے ہیں۔ اس گروہ کے لوگ ضعیف اعتقادی کا شکار ہیں۔ ان کے لیے مذہب صرف قصے کہانیاں اور معجزات کی روایات کا خاکہ ہے۔ ایسے لوگ تاریخی بہاؤ سے بالکل الگ ہیں اور ذہنی آزادی کو خوف اور احساس زیاں کے تصور سے دبا کر خیال کے ارتقا کو روک دیتے ہیں۔

دوسرے گروہ اس میں ایسے بڑے سیاست دان شامل ہیں جو مملکت کے تحفظ کے بہانے پر اس آواز کو دبا دیتے ہیں۔ جو ان کے اقتدار کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہی بات معاشرے میں بحران پیدا کرتی ہے۔ ایسے معاشرے میں جہاں انفرادی سطح پر فرد کی اہمیت نہ ہو۔ مملکت اور قوم فرد سے الگ چیز بن جاتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کی یہ حالت ہے کہ جو برسر اقتدار آیا اس نے دوسروں کی رائے کو دبانے اور کچلنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ آواز اٹھانے والے گروہ میں ملک کے دانشور، قومی پریس تعلیمی ادارے اور سیاسی جماعتیں شامل کی جا سکتی

ہے۔ اگر ہم تعلیمی اداروں کی مثال ہی لے لیں تو پوری دنیا میں تعلیمی ادارے ذہنی آزادی کا گہوارہ ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں عجیب صورتحال ہے۔ یہاں دانشور اور اساتذہ وغیرہ اپنی مجبوریوں اور نوکری چلے جانے کا ڈر اور بہت سے مشکلات کی وجہ سے اپنی آواز کو دبانے پر مجبور ہیں۔ یہی حال پریس اور دوسرے اداروں کا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے ملک میں ذہنی آزادی یا اظہار رائے پر پابندی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اب پہلے جیسی عوامی تحریکوں کا فقدان ہو چکا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے بہت سی عوامی تحریکیں تھیں۔ جن کے مقاصد مشترک تھے۔ سب کو قومی سطح کا احساس تھا۔ لیکن آزادی کے بعد مشترک مقاصد ختم ہونے لگے اور عوامی تحریکیں دم توڑنے لگیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک ذہنی آزادی کو ہم ایک اہم اور بنیادی قدر کے طور پر زندگی کی ہر سطح پر قبول نہیں کریں گے۔ قومی یک جہتی اور قومی کلچر کا مسئلہ حل نہیں ہو گا۔

کتاب کا آخری باب "نئے شعور کا مسئلہ" کے عنوان سے ہے پچھلے ابواب میں ڈاکٹر صاحب نے جن خیالات اور مسائل کا بیان کیا ہے۔ اس باب میں وہ سب خیالات وحدت کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ وہ معاشرے کی اس تصویر کو سامنے لائے ہیں جو نہایت بھیانک ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے اور ہم ان حقائق سے آنکھیں نہیں چرا سکتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک رواج بن چکا ہے۔ کہ جو مغرب کر رہا وہی اچھا ہے یعنی ہمارا نظام مغربی نظام خیال کے زیر اثر آتا ہے۔ جبکہ مغرب کی ترقی اور نظام خیال کا مظہر مشین ہے اور ہم لوگوں کی نظریں اسی ترقی پر ہیں جو مشینی ہے۔ لیکن ہم یہ بات سوچنے سے عاری ہیں کہ مغرب جتنی ترقی کر رہا ہے روحانی طور پر اقدار کے احساس سے بالکل عاری ہے اس کے برعکس ہمارے معاشرے میں آج بھی روحانی اقدار کا احساس باقی ہے۔ مذہب اور روحانیت ہماری شخصیت اور مزاج کا حصہ ہے۔ اس بات میں ڈاکٹر صاحب نے مغربی مفکرین جیسے، Oswald Spegler, Ezra Pound, Albert Schwitzer کی تحریروں سے ثابت کیا ہے کہ مغرب کی روح بے چین ہے بلکہ روح کی موت ہو چکی ہے اور روح کی موت فرد کی موت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ مادی ترقی انسانی ترقی کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے کوئی کلچر اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ اس صدی کی ترقی پسند قوتیں معاشرتی انصاف، دولت کی مساوی تقسیم، اجارہ داری کا خاتمہ، زندگی میں ترقی کی یکساں مواقع اور انسانی مساوات میں ان ترقی پسند قوتوں کے بغیر کوئی تاریخی عمل ممکن نہیں۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ان قوتوں کو اپنے کلچر میں زندہ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue I, (Jan to March 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر جمیل جالبی پوری قوم کے ساتھ ساتھ دانشوروں کو خصوصی گذارش کرتے ہیں کہ وہ آزادی کے ساتھ اس موضوع پر مصلحت اور خوف سے بلند ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کریں تاکہ آزاد خیالی کی ٹھوس سنجیدہ روایت بھی قائم ہو اور سوچنے کا رستہ نکلے اور خیال اپنے خدوخال کو واضح کرے۔ کیوں کہ پاکستان کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ اقدار کا زندہ نظام قائم ہو اور روحانی اقدار اور مادی خوشحالی کا نیا نظام خیال واضح ہو اور یہی خیال قومی یکجہتی کی بنیاد ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کی اس تصنیف کے متعلق ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

> "جمیل جالبی کی تصنیف "پاکستانی کلچر" آج بھی ایک اہم سوال کا محققانہ جواب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہماری موجودہ صورت حال کے بارے میں ہنوز ایک جرات مندانہ سوال ہے جس کی طرف انھوں نے سترہ سال قبل توجہ دلائی تھی مگر ان پر ان کے سوا کوئی قلم نہ اُٹھا سکا۔ اس اثناء میں میں نے خود بھی پاکستانی کلچر پر ایک کتابچہ لکھا مگر میں بڑے فخر سے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے سب سے زیادہ جالبی کی کتاب سے استفادہ کیا ہے اور اسے جالبی کا نقش ثانی کہا جاسکتا ہے۔"(۸)

اس طرح علامہ نیاز فتح پوری کی رائے ہے:

> "یہ تصنیف اپنے موضوع کی اہمیت اپنی معنوی خوبی اور فاضل منصف کی خوشدلانہ کاوش کے لحاظ سے بڑی قابل قدر تصنیف ہے۔ اس کی زبان اس کا اسلوب بیان، اس قدر شگفتہ سلیس اور دلکش ہے کہ وہ ایک دل چسپ داستان معلوم ہوتی ہے۔"(۹)

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری کا کہنا ہے:۔

> "پہلی مرتبہ اس ملک کے ایک دانشور کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ اس مشکل مسئلہ پر ایسی مدلل اور تفصیلی بحث کرے یہ کتاب خیال و اظہار کی آزادی کی قابل تعریف مثال پیش کرتی ہیں۔"(۱۰)

پاکستان کو معرض وجود میں آئے پچھتر سال سے زائد گزر چکے ہیں لیکن آج تک ہم قومی یکجہتی اور "قومی کلچر" کی تشکیل اور ترقی کے لیے ادھر اُدھر دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے قومی کلچر اور یکجہتی کی حالت ایسے درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں نہایت کمزور ہوں۔ اس کی وجہ وہ تمام عناصر ہیں جو ۱۹۴۷ء سے اب تک مسلسل اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی کتاب میں ان تمام عناصر کو تفصیلی بیان کیا ہے۔ انھوں نے نہایت

دلیرانہ انداز میں حقائق سے پردہ اُٹھایا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حقائق بہت کڑوے ہیں لیکن ان سے انکار ممکن نہیں۔ انھوں نے جس انداز سے قومی یکجہتی اور پاکستان کے قومی کلچر کے مسائل اور تشکیل پر بحث کی اور جن سوالوں کو پاکستانی لوگوں کے سامنے اُٹھایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی روح اپنے کلچر کے مسائل حل کرنے کے لیے بے چین ہے اور یہ کتاب ان کی پاکستان اور پاکستان کی سرزمین کے لیے محبت کا ایک اظہار ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب کو سامنے رکھتے ہوئے قومی یکجہتی اور قومی کلچر کی تشکیل اور مسائل کے حل کے لیے ہم مندرجہ ذیل اقدام اُٹھا سکتے ہیں۔

۱۔ پاکستانی کلچر کی روح مذہب اسلام ہے کیوں کہ پاکستان اور پاکستانی قومیت کی بنیاد مذہب پر ہی رکھی گئی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ مذہب کو زندگی کے وسیع تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے۔ اسے زندگی کے جدید تقاضوں، قومی خواہشات اور ضروریات کے نقطہ نظر سے سمجھا جائے اور الجھے ہوئے مسائل کو سلجھا کر ذہن کو صاف کیا جائے اور اس میں تفہیم اور تفکر کی نئی روح پھونکی جائے اور یہ کہ مذہب اور زندگی میں تضاد پیدا نہ کیا جائے۔

۲۔ ہمیں اس پانچ ہزار سالہ تہذیب کی بجائے اس مسلم کلچر کو قبول کرنے کی ضرورت ہے جو برصغیر میں مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ حکومت کے دوران پیدا ہوا۔ کیوں کہ وہی تہذیب و ثقافت ہماری پہچان ہے۔ ہماری جڑیں اسی میں قائم ہیں۔ اس کلچر سے علیحدگی اختیار کر کے پاکستان کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔

۳۔ ہمارے معاشرے میں ضرورت ہے کہ "الفاظ" اور "عمل" کا رشتہ قائم کیا جائے زندگی کو بامقصد بنانے کے لیے ضروری ہے کہ قومی سطح پر جو کہا جائے اسے کیا جائے۔

۴۔ عوام بھی سیاست دانوں کو اس بات کا احساس دلائے کہ پاکستان کے پس منظر میں ایک مضبوط ثقافت ہے جسے استحکام دینا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

۵۔ زندہ معاشروں کی سب سے اہم بات "اجتماعی جذبات اور سوچ" ہے۔ ہمیں اپنے وطن میں اسے فروغ دینا ہو گا۔ وہ جذبہ پیدا کرنا ہو گا جو آزادی کی تحریک میں تھا۔ قومی سطح پر عوامی تحریکوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ یہ قومی یکجہتی کے لیے نہایت ضروری قدم ہے۔

۶۔ افراد کے طرزِ فکر و عمل میں تبدیلی لائی جائے، خیال کے ارتقا کو روکنے والے عناصر کو ختم کیا جائے تاکہ معاشرہ جمود کا شکار نہ ہو۔

۷۔ اپنے اسلاف کی تقلید میں حد بندی کی جائے۔یعنی اپنی روایات کو جدید تقاضوں کے مطابق چلایا جائے اور مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کی جائے۔

۸۔ جو لوگ آواز اُٹھا سکتے ہیں۔یعنی ذہنی آزادی کو فروغ دے سکتے ہیں، جن میں دانشور، تعلیمی ادارے اور قومی پریس شامل ہے۔انکو چاہیے آزادی کے ساتھ خیالات کا اظہار کریں۔تاکہ آزادی اظہار کی روایت قائم ہو، تاکہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر فکر و عمل میں ترقی ہو۔

۹۔ سب سے اہم نقطہ یہ ہے کہ دوسری تہذیبوں اور تقاضوں کو دیکھ کر متاثر ہو کر ان کو اپنانے کی بجائے اپنے کلچر پر فخر کرنا ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے اور پاکستان کے قومی یکجہتی کو زندہ رکھنے کا یہی طریقہ ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کی یہ کتاب فنی نقطہ نظر سے بھی ایک بہترین کتاب ہے۔کیوں کہ انھوں نے نہایت سادہ زبان استعمال کر کے موضوع کی وضاحت کی ہے اس کتاب کے پڑھنے سے قاری کی سوچ پاکستانی کلچر اور قومی یکجہتی کے متعلق نہ صرف وسعت اختیار کرتی ہے بلکہ فکر کی طرف ترغیب دیتی ہے کہ انھوں نے منفرد انداز میں پاکستان کی تہذیب و ثقافت کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور نہ صرف مسائل کو اکٹھا کر کے پیش کر دیا ہے بلکہ مسائل کی وجوہات بیان کر کے ان کی بہتری کے لیے تجاویز بھی دی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کے جذبے، محنت اور کاوش سے استفادہ کرتے ہوئے پاکستانی قوم بھی کھلے دل و دماغ کے ساتھ قومی یکجہتی اور کلچر کے مسائل، اپنی فکر اور اپنے سماج و معاشرتی عوامل کا جائزہ لے کر انھیں نئے تقاضوں کے تحت بدلیں اور مرتب کریں۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر "پاکستانی کلچر" نیشنل بک فاونڈیشن، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص:۶۵

۲۔ ایضاً، ص:۷۲

۳۔ ایضاً، ص:۴۲

۴۔ ایضاً، ص:۵۹

۵۔ ایضاً، ص:۶۹

۶۔ ایضاً، ص:۱۰۵

۷۔ ایضاً، ص:۱۴۴

۸۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، (فلیپ)

۹۔ علامہ نیاز فتح پوری، (فلیپ)

۱۰۔ اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹر (فلیپ)